مسلم سماج میں عورت کی تہذیبی و سماجی حیثیت (مولانا محمد تقی امینی کے فقہی منہج کا خصوصی مطالعہ)

محمد شاہد*

محمد امجد**

Abstract

The problem of fair sex has been very delicate throughout the human history. Even the civilized nations of the world did not acknowledge the permanent status of woman. Her destiny has always been decided by the males under catchy slogans and selfish emotions. Islam accepted the permanent status of woman. It blesses the women with moral superiority by giving the men more responsibilities. It put women's physical stature under consideration while assigning on her the responsibilities. Molana Muhammad Taqi Ameeni (1926-1991) is a prominent scholar of the sub-continent. He wrote so many books on different subjects with reference to the current problems. These books present a viable solution of these problems. The problems like parity and birth control have always been important in an Islamic society. Molana Muhammad Taqi Ameeni has brought them (parity, birth control) to light with the arguments from Quran and Sunnah. He described the importance and range of these issues. An analysis of his Fiqhi Methodology has been presented in this article.

Keywords: Feminism, Jurisprudence, Prominent, Parity, Birth Control, Delicate.

انسان اس کائنات کا کل پرزہ ہے۔ انسانی زندگی کی دلکشی اور خوبصورتی مرد وزن کے پاکیزہ تعلقات میں پوشیدہ ہے۔ شریعت نے اس فطری تقاضے کو سرانجام دینے کے لئے مرد و عورت کو نکاح کے خوشگوار بندھن میں باندھا ہے۔ تاکہ نسل انسانی کی بقااور اس کی افزائش کا فریضہ بدرجہ کمال سرانجام پائے۔ بد قسمتی سے صنف نازک کا مسئلہ تاریخ کے ہر دور میں نازک رہا ہے۔ دنیا نے اکثر اس کے ساتھ ناانصافی کی ہے۔ مذہب جو کہ انسانی زندگی اور اس کی خوشیوں و مسرتوں کا ضامن ہے۔ اس کی بگڑی ہوئی شکلوں اور اس کے نمائندوں نے بھی اس کے ساتھ بہتر سلوک نہیں کیا۔

*لیکچرار، شعبہ اسلامیات، گورنمنٹ ملت ڈگری کالج، ملتان۔

**ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان۔

خواہ یہ زمانہ کی ستم ظریفی ہو یا عورت کی فطری کمزوری کہ ہر دور میں اس کی قسمت کا فیصلہ مردوں نے اپنے خود غرضانہ اور نفس پرستانہ جذبات کے مطابق کیا ہے۔ اسی کا ردعمل ہے کہ اب عورت آزاد ہو کر اپنا اصل مقام بھی چھوڑنے اور تمام حدود و قیود سے بے نیاز ہو کر نیا مقام تلاش کرنے میں سرگرداں ہے۔ اس مقالہ میں مسلم سماج میں عورت کی تہذیبی حیثیت اور عورت سے متعلقہ من جملہ مسائل میں سے "کفو" اور "ضبط ولادت" کے حوالہ سے مولانا محمد تقی امینی کے منہج اور ان کے ذکر کردہ دلائل کو تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

دنیا کی معلوم تاریخ میں یونان اور ایران انسانی تہذیب و تمدن کے گہوارے رہے ہیں۔ لیکن یہ دونوں متمدن تہذیبیں بھی عورت کو اس کا جائز مقام دینے سے قاصر رہیں۔ رومی قانون (Roman Law) کے تحت عورت صرف کھیتی باڑی، دستکاری، ملازمہ اور دایہ کے طور پر سماجی فرائض سرانجام دے سکتی تھی۔ سیاسی طور پر وہ رائے دہی کا حق یعنی ووٹ دینے کا حق بھی نہ رکھتی تھی نیز کوئی سیاسی عہدہ رکھنے کی بھی مجاز نہ تھی۔ یعنی رومن سماج میں اس کا کردار انتہائی محدود تھا۔ جس کا اندازہ درج ذیل اقتباس سے کیا جا سکتا ہے۔

"Roman women had a very limited role in public life. They could not attend, speak in, or vote at political assemblies and they could not hold any position of political responsibility…Typical jobs undertaken by such women were in agriculture, markets, crafts, as midwives and as wet-nurses."[1]

دنیا کی موجودہ تہذیبوں میں سے ایرانی تہذیب وہ تہذیب ہے کہ جس کا وجود کسی نہ کسی شکل میں آج بھی دنیا میں موجود ہے۔ چھٹی صدی عیسوی میں ایران میں مزدک نامی مجوسی نے عورت کے حوالے سے فسادات کا حل اس نظریہ کے تحت پیش کیا تھا کہ ہوا اور پانی کی طرح زر زمین اور زن تینوں کو مشترک ملک قرار دیا تھا اور جس کا شعار عام اباحیت اور اقوال و افعال پر آزادی تھی۔[2]

دنیا کی تیسری بڑی آبادی اگر ہندوستان کو کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اگرچہ اس کی تاریخ معلوم نہیں لیکن ایک بہت بڑی آبادی نامعلوم زمانہ سے یہاں موجود رہی ہے۔ تاہم دھرم شاستر بنانے والوں نے ہندوستان کی ایک عام عورت کا خیال قانون سازی کے وقت نہیں رکھا تھا۔ دھرم شاستری اصولوں کے مطابق وہ ایک ناشائستہ ہستی

[1] https:// www. ancient, eu (article). The Role of Women in the Roman World Ancient History Encyclopedia.

[2] الشہرستانی، محمد بن عبد الکریم، **الملل والنحل**، تحقیق: استاد احمد فہمی محمد، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۲ء)، ۲: ۲۷۶

تھی۔ جس سے آریوں کی تہذیب و تمدن کو نقصان پہنچ رہا تھا۔ اس طرح فطرت کے قانون کی بندش اور اس کی سختی عام عورتوں پر بڑھتی گئی۔[3]

دالہامی مذاہب میں عورت کی سماجی حالت انتہائی ناہمواری کا شکار تھی حتی کہ اسے عام انسانی حقوق کا بھی حق دار نہیں سمجھا گیا تھا۔ چناں چہ یہودیوں کے ہاں نکاح در حقیقت عورت کا خرید لینا تھا اور اس کی قیمت عورت کے باپ کو ملتی تھی۔[4] اسی طرح عیسائیت میں بھی عورت کو ہر قسم کے شہری حقوق سے محروم رکھا گیا تھا۔ تعلیم کے دروازے اس پر بند تھے، صرف مخصوص درجہ کی مزدوری کے علاوہ کوئی کام نہیں کر سکتی تھی۔ شادی کے وقت اسے اپنی ساری املاک سے دست بردار ہونا پڑتا تھا۔[5]

مذکورہ بالا مختصر تاریخی پس منظر سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ عورت کے فرائض تو تھے مگر کسی بھی زمانے میں کوئی طبقہ اسے حقوق دینے کے لئے تیار نہ تھا۔ یورپ میں صنعتی انقلاب کے بعد عورت کی آزادی کے حوالے سے خوش نما نعرے بلند کیے گئے، مختلف ایام کو عورت کے حقوق کے حوالہ سے منانے کا آغاز ہوا لیکن حقیقت یہ ہے کہ یورپی اور مغربی معاشرہ میں عورت کا مقام آج بھی وہی ہے جو مقام اسے رومی، ہندوستانی، سامی اور ایرانی سماج میں دیا گیا تھا۔ بیسوی صدی میں مغرب کی طرف سے عورت کی سماجی حیثیت کے حوالے سے اسلامی تہذیب پر بہت سے سوالات اٹھائے گئے جن کے جوابات میں مسلم محققین کی جانب سے ایک وقیع لٹریچر وجود میں آیا۔ ہندوستان سے مولانا محمد تقی امینی (1991ء-1926ء) جیسے فاضل اسلامی محقق نے بھی اس مسئلہ پر بحث کی ہے۔ انہوں نے مغرب میں عورت کی آزادی کے عنوان سے فحاشی کے فروغ اور اس کے عوامل و نتائج پر بات کی ہے۔ ان کے مطابق یہ فلسفہ کہ انسان اپنی جنسی پیاس بجھانے میں آزاد و خود مختار ہے جس طرح پانی کی پیاس بجھانے میں آزاد و مختار ہے (یعنی میرا جسم میری مرضی)۔ اس میں کسی قسم کی رکاوٹ کو شخصی و ذاتی امور میں مداخلت مان لیا گیا ہے۔[6]

---

[3] ٹوپا، ایشورا، **ہندوستانی تمدن**، (حیدرآباد، دکن: اعظم سٹیم پریس، ۱۹۴۳ء)، ۱: ۵۲

[4] نعمانی، مولانا شبلی، **الکلام**، (کان پو: رنامی پریس، س۔ن)، ۵۰

[5] ندوی، ابوالحسن علی، **اسلام میں عورت کا درجہ اور اس کے حقوق و فرائض**، مرتب: محمد عزیز اللہ ندوی، (لکھنؤ: جامعۃ المؤمنات اسلامیہ، س-ن)، ۵۰

[6] امینی، محمد تقی، مولانا، **تہذیب کی جدید تشکیل**، (لاہور: مکی دار الکتب، سن۔ن)، ۱۸۳

انسانی حقوق کی آزادی کے نام پر عورت کو بے محابا آزدی کو اپنی جنسی پیاس بجھانے کا ذریعہ بنانا اور اس کو "خواتین کے حقوق" کا نام دینا مغربی معاشرت کا انتہائی منافقانہ رخ ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس فکر کو دنیا بھر میں رائج کرنے کے لئے سرکاری و نیم سرکاری ذرائع کا استعمال نیز پرنٹ اور برقی مواصلات کے ذریعہ اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے "اصلاحی تحریک" کا نام استعمال کر کے رائے عامہ کو ہموار کرنا یہ مغربی فکر کا وطیرہ ہے۔ مولانا امینی کے مطابق فحاشی کو فروغ دینے کا عملی انتظام، مثلاً عورتوں کی عریاں تصویریں، رقص و سرود کی محفلیں، آزادانہ میل ملاپ، نائٹ کلب، عریاں فلمیں، عریاں لباس، نمائشی حسن، ڈانس کے شہوت انگیز طریقے اور مختلف قسم کی دوست خواتین، مثلاً فرینڈ گرل، کال گرل، کمپنی گرل، پارٹی گرل وغیرہ جیسے امور کو عورت کی آزادی سمجھ لیا گیا ہے۔[7] عملی طور پر فحاشی کو فروغ دینے کے لئے مغربی میڈیا، (فلم، ٹی وی) فیس بک، ٹوئٹر، مختلف ادارے اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔ گویا کہ یہ سماجی جنگ ہے کہ جس کے ذریعے اپنی فکر اور عمل کو دنیا میں موجود دیگر تہذیبوں پر مسلط کیا جارہا ہے۔ خاص طور پر اسلامی سماج اور اسلامی تہذیب ان کے نشانے پر ہے۔

اسلام نے خواتین کو خوش نما نعرے دینے کی بجائے عملی طور پر وہ حقوق عطا فرمائے کہ آج تک اسلامی معاشرہ میں عورت کو وہ حقوق حاصل ہیں۔ دنیا کی کوئی تہذیب ان حقوق کے حوالے سے عملی تو دور کی بات فکری قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکی۔ مولانا تقی امینی نے شریعت کی روشنی میں عورت کی سماجی حیثیت متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے مطابق الٰہی شریعت نے عورت کی مستقل حیثیت تسلیم کی ہے اور دو زندگیوں کو ملا کر ایک زندگی قرار دیا ہے۔ جو ذمہ داری اس کے سپرد کی ہے اور جو مقام اس کو عطا فرمایا ہے، اس میں اس کی فطری ساخت کا اعتبار کیا ہے نہ کہ مردوں کے خود غرضانہ جذبات کا۔ فطری نقشے میں جو لکیریں مشترک تھیں ان دونوں کا یکساں لحاظ کیا گیا ہے اور جو الگ الگ تھیں ان میں کچھ امتیاز کیا ہے۔ اس بنا پر کچھ باتیں دونوں میں مشترک قرار پائیں اور کچھ دونوں کے لئے الگ الگ مخصوص ہیں، مگر زندگی کی تکمیل کے لئے دونوں کی یکساں ضرورت ہے۔[8]

کارزار حیات میں مرد و عورت کے میادین عمل میں مماثلت اور اختلاف فطری ساخت کی وجہ سے ہے۔ یہ شریعت کا احسان ہے کہ اس اختلاف کو مد نظر رکھتے ہوئے کہیں تو مشترک حقوق ہیں اور کہیں مختلف، دونوں کو یکساں حقوق و فرائض کا علم بردار ٹھہرانا نا صرف غیر فطری ہے بلکہ دونوں کے ساتھ ظلم و زیادتی بھی ہے۔ دونوں

---

[7] مرجع سابق

[8] امینی، محمد تقی، مولانا، **اجتہاد**، (کراچی: قدیمی کتب خانہ، س۔ن)، ۲۸۱

کی زندگی کے دائرہ عمل میں تقسیم درحقیقت مرد و عورت کی زندگی کو خوش گوار بنانا اور نسل انسانی کی بقا اور اس کی افزائش کے فریضہ کو سرانجام دینے میں معاونت فراہم کرنا ہے۔ مگر اس اختلاف کی وجہ سے ان کے حقوق پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور نہ اعمال و کردار کے ثمرات میں مرد کو عورت پر فوقیت حاصل ہے۔ درج ذیل قرآنی آیات میں اسی بات کا اظہار ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ[9]

"عورتوں کے لیے اسی طرح کے حقوق مردوں پر ہیں جس طرح مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں۔"

دوسری جگہ اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں:

لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَاءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ[10]

"مرد جیسا عمل کریں گے ویسا پھل ان کو ملے گا اور عورتیں جیسا عمل کریں گی اس کا پھل ان کو عمل ملے گا۔"

گو فرائض میں فطری اختلاف ہے لیکن اعمال و کردار کے ثمرات میں دونوں برابر ہیں۔

عرب معاشرے میں لڑکیوں کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ جبکہ قرآن مجید میں سورۃ النحل اور سورۃ الزخرف میں آیات موجود ہیں۔ نیز سورۃ التکویر میں بچیوں کو زندہ در گور کرنے کے حوالہ سے بھی آیات موجود ہیں۔ اس وجہ سے آپ ﷺ نے لڑکیوں کی پرورش کی طرف خصوصی توجہ کا حکم دیا ہے۔ صرف ایک روایت پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

من عال جاریتین حتی تبلغا جآء یوم القیامة انا وھو ھکذا وضم اصابعه[11]

"جس شخص نے دو لڑکیوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ بالغ ہو گئیں تو وہ شخص اور میں قیامت کے دن ایک ساتھ ہوں گے، جیسے انگلیاں ایک ساتھ ہوتی ہیں۔"

بعینہ اس طرح کی بشارت ایک بچی کی پرورش کے حوالہ سے بھی موجود ہے۔ کہیں بچی کی پرورش کو دوزخ کی آگ سے حجاب اور کہیں جنت میں دخول کا سبب قرار دیا ہے۔

---

[9] البقرہ:۲۲۸

[10] النساء، ۴: ۳۲

[11] القشیری، ابی الحسن، مسلم بن حجاج، **صحیح مسلم**، تحقیق، صدقی جمیل العطار، (بیروت: دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع س ن)، کتاب البر والصلۃ ولآداب، باب فضل الاحسان الی البنات، حدیث: ۲۶۳۱

قرآن و سنت میں ہر ذی روح کے ساتھ حسن معاشرت کا حکم ہے۔ لیکن عورتوں کے حوالہ سے خصوصیت کے ساتھ حسن معاشرت کا حکم ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـــًٔـا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا[12]

"عورتوں کے ساتھ معاشرت میں حسن سلوک کو ملحوظ رکھو، اگر تم ان کو ناپسند کرتے ہو تو ممکن ہے تم ایک بات کو ناپسند کرو اور اللہ نے تمہارے لیے اس میں خیر کثیر رکھا ہو۔"

اسی طرح حدیث مبارکہ میں ہے:

فاتقوا اللّٰہ فی النساء فانکم اخذتموھن بامان اللّٰہ [13]

"عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو، تم نے ان سے اللہ کے عہد کے ساتھ معاملہ کیا ہے۔"

مولانا تقی امینی کے مطابق اسلام نے عورتوں کی شخصیت سازی کے اصول بیان کیے ہیں۔ چناں چہ عفت و پاکبازی سارے محاسن کی جان اور انسانیت کا جوہر ہے۔ اس سے زندگی کو روشنی ملتی ہے اور انسانیت حیوانیت سے ممتاز ہوتی ہے۔ عفت و پاکبازی کو نبوت و رسالت کا لازمی جزو نیز اہل بیت اور خاصان خدا کی لازمی صفت قرار دیا گیا۔[14] عفت و پاکبازی کی حفاظت کے لئے ان تمام چیزوں سے منع کیا گیا جو اس کے قریب کرنے والی ہیں مثلاً عورتوں کی بے احتیاطی اور ذرا سی بے باکی بھی مردوں کو غلط فہمی میں مبتلا کرتی اور آگے بڑھنے کی جرأت دلاتی ہے۔ سب سے پہلے پیغام رسانی کرنے والی انسان کی نگاہ ہے، جس پر پابندی لگائی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ[15]

"اے پیغمبرؐ! آپ اہل ایمان سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے پاکیزگی کا طریقہ ہے اللہ جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں۔"

---

[12] النساء، ۴: ۱۹

[13] القشیری، مسلم بن حجاج، **صحیح مسلم**، کتاب الحج، باب حجۃ النبیؐ، حدیث: ۱۲۱۸

[14] امینی، محمد تقی، مولانا، **تہذیب کی جدید تشکیل**، ۱۸۱

[15] النور: ۳۰

اس طرح یہ حکم عورتوں کو بھی دیا گیا ہے۔ اس آیت میں نظر اور فرج کے تعلق پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح حدیث میں پہلی مرتبہ نظر ڈالنے کے بعد دوسری مرتبہ دیکھنے سے منع فرمایا گیا۔

سألت رسول اللہ عن نظرۃ الفجاءۃ فامرنی ان اصرف بصری[16]

''حضرت جریر بن عبد اللہؓ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ سے اچانک نظر پڑ جانے کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے نظر ہٹا لینے کا حکم دیا۔''

اسلام نے سد الذرائع کے اصول کے تحت ہر اس چیز سے منع کیا ہے جس سے عورت کی عفت و پاکبازی میں کوئی مشکل پیش آسکتی ہے۔ چناں چہ مولانا امینی کے مطابق لباس، وضع قطع، چال ڈھال میں آزادانہ روش اختیار کرنے، خوشبو لگا کر نکلنے، جسم اور کپڑوں کی نمائش وغیرہ جن سے کسی درجہ میں عفت و پاکبازی کی حفاظت میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہو ان سب سے منع کیا گیا۔[17] اور ایسا عورت کے مفاد اور اس کی عزت کی حفاظت اور اس کے حقوق کے تحفظ کے لیے کیا گیا ہے۔

عفت و پاکبازی کی ضد ''فاحشہ'' ہے۔ فاحشہ کے مرتکب کے لئے سخت قوانین اور سزائیں مقرر ہیں۔ جن سے ایک طرف مجرموں کو ان کی بداعمالیوں کی پوری سزا ملتی ہے۔ دوسری طرف اس سے پورے معاشرے کو عبرت و تنبیہ حاصل ہوتی ہے۔ مثلاً ابتدا میں ''فاحشہ'' کی مرتکب عورتوں کو گھروں میں بند کرنے کا حکم، جسمانی سزا دینے کا حکم، کنوارے زانی اور زانیہ کی سزا سو سو کوڑے، شادی شدہ مجرم کے لئے سنگساری کا حکم۔ ان سزاؤں کی حکمت کے حوالہ سے مولانا امینی فرماتے ہیں کہ یہ سزائیں تہذیب جدید کو سخت بلکہ وحشیانہ معلوم ہوتی ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی نگاہ میں عصمت و عفت کی زیادہ اہمیت اور معاشرہ میں اس فعل کے برے اثرات و نتائج کا احساس نہیں بلکہ اس کی حوصلہ افزائی ہے۔۔۔ان سزاؤں کی حیثیت معاشرہ کی صحت کی بقا کے لئے تلخ دوا ہے۔[18]

فعل وانفعال اور جذب و انجذاب کی کیفیت کو قرآن نے صرف انسانوں کے ساتھ خاص نہیں کیا بلکہ ہر شے کے لئے عام بتایا ہے۔

---

[16] الترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، **سنن الترمذی**، تحقیق، صدقی جمیل العطار، (بیروت: دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، ۲۰۰۵)، کتاب الادب، باب ماجاء فی نظرۃ الفجاءۃ، حدیث: ۲۷۸۵

[17] امینی، محمد تقی، مولانا، **تہذیب کی جدید تشکیل**، ۱۸۵

[18] مرجع سابق، ۱۸۷

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ[19]

"اور ہر چیز میں ہم نے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم غور کرو۔"

جوڑے بنانے کا مقصد خواہشات نفسانی کی وقتی تسکین نہیں بلکہ اس کو "معاہدہ نکاح" کے ذریعہ مستحکم بنیاد پر ساری زندگی کے لئے قائم کیا جاتا ہے۔ جس سے ایک دوسرے کے قیام و بقا میں مدد ملے۔ نکاح کا مقصد بدکاری سے حفاظت، ایک دوسرے کی ستر پوشی، بدنظری، فرج کی حفاظت، انس و محبت اور ایثار و قربانی کے جذبہ کا ابھرنا، خاندانی تنظیم کی بنیاد فراہم کرنا ہے۔ مذکورہ تمام صفات کا ثبوت قرآن و سنت میں موجود ہے۔ مولانا امینی کے مطابق خاندانی نظام کا سربراہ فطری طور پر مرد ہوتا ہے۔ کیونکہ دونوں (زن و شو) میں خلقی تفاوت کی وجہ سے مرد میں فعل و جذب اور عورت میں انفعال و انجذاب کی کیفیت زیادہ پائی جاتی ہے۔ نیز مرد پر گھر کی معاشی ذمہ داریوں کا بوجھ ہوتا ہے۔[20]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ[21]

"مرد عورتوں کے سربراہ ہیں اس لیے کہ اللہ نے ان میں بعض کو بعض پر (خلقی ساخت و ذمہ داری میں) فضیلت دی اور اس لیے کہ مرد اپنا مال عورتوں پر خرچ کرتے ہیں۔"

اسی طرح حدیث مبارکہ ہے:

الرجل راع على اهله وهو مسئول[22]

"مرد اپنے اہل و عیال کی مصلحتوں کا محافظ اور اس میں وہ اللہ کے سامنے جوابدہ ہے۔"

---

[19] الذاریات:۴۹

[20] امینی، محمد تقی، مولانا، **تہذیب کی جدید تشکیل**، ۲۵۵

[21] النساء:۳۴

[22] البخاری، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، تحقیق، صدقی جمیل العطار، (بیروت: دارالفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع س ن)، کتاب النکاح، حدیث:۵۱۸۸

مفسرین نے "قوام" کی وضاحت، ادب سکھانے والا، قیم اور حکمران کے الفاظ سے کی ہے۔ مترجمین میں سے بعض نے لفظ "قوام" کا ترجمہ قوام اور بعض نے اس کا ترجمہ حاکم، افسر، سرپرست یا سر دھرا کیا ہے۔ شیخ محمد عبدہ اور ان کے شاگرد علامہ رشید رضا نے اس حوالے سے پُر مغز بحث کی ہے۔ تفصیل کے بجائے مختصر نکات میں مسئلہ قوامیت کا منطقی جواب دیا ہے۔

شیخ محمد عبدہ فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ اس کی بجائے اگر وہ یہ کہتا کہ اس نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے تو بات مختصر بھی ہوتی اور زیادہ واضح بھی یہ طرز تعبیر اختیار کرنے میں حکمت یہ ہے کہ اللہ بتانا چاہتا ہے کہ مرد و عورت کا باہمی تعلق ویسا ہے جیسا ایک شخص کے بدن کے مختلف اعضا کا آپس میں ہوتا ہے۔ مرد بمنزلۂ سر کے لیے اور عورت بمنزلۂ بدن کے۔۔۔ فضیلت کے اسباب میں سے ایک سبب فطری اور دوسرا کسبی ہے۔ فطری سبب یہ ہے کہ مرد کا مزاج زیادہ قوی اور مکمل ہوتا ہے۔ ساتھ ہی اس کی عقل زیادہ پختہ ہوتی ہے۔ اور وہ معاملات کے تمام پہلوؤں پر درست طور پر غور و فکر کر سکتا ہے۔ مزید یہ کہ کسبی اعمال میں بھی اسے کمال حاصل ہوتا ہے۔ مردوں کو روزگار کمانے، ایجاد و اختراع کرنے نیز معاملات میں تصرف کرنے پر زیادہ قدرت ہوتی ہے۔ اسی وجہ انہیں مکلف بنایا گیا کہ وہ خواتین پر خرچ کریں، انکی حفاظت کریں اور معاشرہ میں خاندان کی عمومی سربراہی کریں۔ اس لیے کہ لازم ہے ہر معاشرہ کا ایک سربراہ ہو جس سے عام مصالح کے سلسلہ میں رجوع کیا جائے۔"[23]

ابتدا میں گزر چکا کہ حقوق و فرائض کی تقسیم سے مرد و عورت کی حیثیت میں کوئی نمایاں فرق ظہور پذیر نہیں ہوتا اسی طرح بعض استثنائی صورتوں میں کہ جس میں عورت عام مصالح میں قائدانہ کردار ادا کرتی ہے۔ اس سے مرد کے درجہ "قوامیت" پر زد نہیں پڑتی۔ مقصد خاندان کی ذمہ داریوں کو احسن طریقے سے پورا کرنا ہے۔ حریف کی بجائے حلیف بن کر فطرت کے مقاصد کو پورا کرنا ہے۔ حقوق کی بحث میں توانائی صرف کرنے کی صورت میں مرد و عورت کا فطری "وظیفہ" نیز نسل انسانی کی بقا اور افزائش جیسا اہم فریضہ بھی متاثر ہونے کا خطرہ ہے۔

---

[23] محمد عبدہ، الشیخ، **تفسیر القرآن الحکیم**، مرتب: سید محمد رشید رضا، (القاہرہ: دار المنار، ۱۹۴۷ء)، ۵: ۶۸ تا ۷۰

جسم کے اعضا کی اہمیت جسم کے لئے مسلم ہے۔ اگر اعضا میں فضیلت اور عدم فضیلت کی بحث میں پڑ جائیں تو جسم کی کارکردگی متاثر ہونے کا خدشہ ہوتا ہے۔ لہذا اسلام نے مرد و عورت کی فطری ساخت کا لحاظ رکھتے ہوئے بعض میں مشترک وظائف اور بعض میں افتراق کو پسند فرمایا ہے۔ مولانا امینی کے مطابق فقہانے عورتوں سے متعلق احکام پر تفصیلی بحث کی ہے ان میں سے بعض بحثیں موجودہ حالات کے پیش نظر دشوار بن گئی ہیں اور بعض کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی ہے۔ ان بحثوں میں فقہا کے اختلاف بھی مذکور ہیں۔ جو بڑی حد تک حالات، مقامات اور زاویۂ نگاہ کی تبدیلی پر مبنی ہیں۔ ان سب سے مستفید ہونے اور دشواریوں پر قابو پانے اور بعض مسائل پر از سر نو غور و خوض کی ضرورت ہے۔[24]

عورت کے سماجی مسائل کے حوالے سے جن مسائل پر موجودہ دور میں غور و خوض کی ضرورت ہے ان میں سے مولانا امینی نے دو کا ذکر فرمایا ہے۔ ایک نکاح کے حوالہ سے کفو کا مسئلہ، دوسرا ضبط ولادت۔ اسلام سے قبل عزو شرف کا معیار ہر قوم و مذہب میں ان کے عقائد اور سماجی رسومات کے اعتبار سے مختلف تھا، الہامی مذاہب کی تعلیمات پر رسم و رواج اور دنیاوی مفادات کا رنگ چڑھ چکا تھا۔ قبائلی معاشرے میں قبائل کے درمیان، نیز عجمی معاشرے میں مال و دولت اور دیگر مناصب دنیا کی بنیاد پر واضح خلیج موجود تھی۔ متوسط طبقہ، حسب و نسب، ذات، قوم، خاندان اور دیگر معاشرتی اصولوں کی وجہ سے مختلف ٹکڑوں میں بٹا ہوا تھا۔ اسلام نے رنگ و نسل، ذات، قوم و قبیلہ، حسب و نسب، علاقہ اور مال و دولت کے فرق کی بجائے عزو شرف کا ایسا مشترک اور مساوی معیار مقرر کیا کہ جو دنیا کی تمام آبادیوں کے لئے قابل قبول ہو۔ اس سے حسب و نسب، رنگ و نسل اور قوم و وطن کے بتوں کا خاتمہ ہو۔ نیز اس کا پایا جانا دنیا کے تمام معاشروں میں یقینی ہو۔ اس کا تعلق ذات کی بجائے کردار پر ہو۔ نیز اختیاری ہونے کے ساتھ سب کے لیے قابل قبول ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ[25]

"اللہ کے نزدیک تم میں معزز وہ ہے جو تم میں زیادہ متقی ہے۔"

---

[24] امینی، محمد تقی، مولانا، اجتہاد، ۲۸۲ د

[25] الحجرات: ۱۳

حدیث مبارکہ ہے:

لیس لاحد علی احد فضل الا بدین و تقویٰ[26]

"کسی ایک کو دوسرے پر فضیلت صرف دین اور تقویٰ کی بنیاد پر ہوتی ہے۔"

مذکورہ بالا آیت اور حدیث میں عزو شرف اور فضیلت کا معیار صرف اور صرف تقویٰ کو قرار دیا گیا۔ "تقویٰ" کا تعلق انسان کے کردار سے ہے۔ حسب و نسب وغیرہ کے خاتمہ کے حوالہ سے مولانا امینی فرماتے ہیں کہ حسب و نسب وغیرہ کے بتوں کا خاتمہ حد درجہ مشکل کام ہے۔ چنانچہ ہر دور میں مختلف تدبیروں کے باوجود اس میں ناکامی ہوئی ہے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے گھریلو و بیرونی زندگی میں ایسی تدبیریں اختیار کیں جن سے ادنی اور اعلیٰ دونوں محسوس کرنے لگیں کہ خود ساختہ بلندیوں اور پستیوں کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہی، اس لیے پہلے ذہنی و فکری اصلاح کی گئی پھر ان رفاقتوں کے بے اثر ہونے کا اعلان کیا گیا۔[27]

مولانا امینی نے اس حوالے سے درج ذیل دلائل سے استدلال کیا ہے:

- رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے اپنے گھر میں ان بتوں (حسب و نسب، رنگ و نسل، قوم، علاقہ، قبیلہ و زبان وغیرہ) کو توڑا۔ اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ کا نکاح ایک آزاد شدہ غلام زید بن حارثہؓ سے کیا۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے عاصم کا نکاح ایک دودھ فروش کی بیوہ لڑکی سے کیا۔[28]
- حضرت عمرؓ نے ولی کی مرضی کے خلاف غیر کفو میں نکاح کا حکم دیا۔ موالی (آزاد شدہ غلاموں) میں سے ایک مالدار شخص نے قریشی کی بہن کا پیغام بھیجا۔ قریشی نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ہم حسب و نسب والے ہیں وہ لڑکی کا کفو نہیں ہے اس کی اطلاع حضرت عمرؓ کو پہنچی، تو آپ قریشی کو بلا کر کہا وہ شخص مالدار بھی ہے اور پرہیز گار (متقی) بھی۔ اگر بہن راضی ہے تو اس کا نکاح کر دو۔ بھائی نے بہن سے پوچھا تو وہ راضی ہو گئی اور نکاح کر دیا گیا۔[29]

---

[26] احمد بن حنبل، **مسند الامام احمد بن حنبل**، تحقیق: شعیب الارنؤوط، (بیروت: مؤسسہ الرسالۃ، للطباعۃ والنشر والتوزیع، س ن)، ۱۸، حدیث: ۱۷۴۴۸

[27] امینی، محمد تقی، مولانا، **تہذیب کی جدید تشکیل**، ۲۷۰

[28] دہلوی، شاہ ولی اللہ، **ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء**، (لاہور: سہیل اکیڈمی، ۱۹۷۶)، ۳: ۱۸۳

[29] مرجع سابق، ۳: ۱۸۷

مولانا امینی کے مطابق فقہانے "کفو" پر طویل بحث کی ہے جس کی موجودہ دور میں قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ کفاءت میں حریت، نسب و پیشہ، مال و عمر اور دین (اخلاق و کردار) کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ لیکن "دین" کے علاوہ حالات کے لحاظ سے سب میں اختلاف ہے۔ دین پر اتفاق اور سب سے میں اختلاف خود اس کی دلیل ہے کہ شرعی حیثیت صرف دین کو حاصل ہے اور بقیہ کی حیثیت محض ازدواجی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لئے ہے۔ اس زمانہ کفاءت میں مذکورہ چیزوں کے اعتبار سے ازدواجی زندگی مختل ہوتی اور اسلامی زندگی پر حرف آتا۔ عہد نبوی ﷺ کے مطابق دین کے ساتھ معاشرتی حیثیت کا لحاظ کافی ہوگا، اوراس میں تعلیم و معاش کو حالات کے لحاظ سے زیادہ اہمیت ہوگی اس سے ازدواجی زندگی خوشگوار بنانے میں مدد ملتی ہے۔[30]

مولانا امینی کے ذکر کردہ دلائل قابل غور ہیں۔ ان کو قابل عمل بنانے کے لئے معاشرے کی فکری تربیت کی ضرورت ہے۔ پاک وہند کے سماجی حالات کو سامنے رکھتے ہوئے خطے کے لوگ دوسری پریشانیوں میں مبتلا ہیں۔ اول تو مناسب رشتے موجود نہیں اگر موجود ہیں تو ذات برادری کے بتوں کی وجہ سے بچیوں کے والدین معاشرتی جبر کا شکار ہیں۔ معاشرتی کفاءت کو مد نظر رکھتے ہوئے اخلاق و کردار کی بنیاد پر اس خطہ کے لوگوں کا دیرینہ مسئلہ ہو سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے مؤثر آواز دینی حلقوں کی ہے۔ اگر مسجد و منبر سے یہ توانا آواز بلند کی جائے تو اس کے اثرات معاشرے میں ضرور اثر پذیر ہوں گے۔[31]

مولانا تقی امینی سے سوال کیا گیا کہ شادی بیاہ کے سلسلے میں ذات پات، حسب و نسب کی تعیین عذاب جان بنی ہوئی ہے ان کے بارے میں شرعی نقطہ نظر کیا ہے؟ تو اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ذات پات اور حسب و نسب کی لعنتیں، مسلم معاشرہ کا جز بنی ہوئی ہیں۔ جن کی وجہ سے بے شمار مسلم بچیاں زندہ در گور ہیں۔ کفو کا مسئلہ جس انداز سے فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔ وہ قرآن و حدیث کی روح کے خلاف ہے۔ جس طرح ہندوستان

---

[30] امینی، محمد تقی، مولانا، تہذیب کی جدید تشکیل، ص ۲۷۲

[31] کفاءت کی بحث کے حوالے سے مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمیؒ فرماتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ عالی خاندان ہونے کا دعویٰ کر کے دوسروں کو پست سمجھنا تو بہت آسان ہے۔ لیکن عالی خاندان کا قابل قبول ثبوت پیش کرنا کارے دارد۔ بالخصوص ہندوستانی مدعیان شرافت میں سے تو شاذونادر ہی کوئی شخص اپنے نسب کا پختہ ثبوت پیش کر سکے۔ ورنہ عموماً یہی پایا جاتا ہے کہ ان مدعیوں کے دعویٰ کا یا تو کوئی ثبوت ہی نہیں۔ یا جو ثبوت ہے تاریخوں سے اس کی تکذیب ہوتی یا کم از کم ان دعوؤں کی تائید کسی تاریخ سے نہیں ہوئی ہے الاعظمی، مولانا حبیب الرحمٰن، **انساب و کفاءت کی شرعی حیثیت**، (میوٗ: المجمع العلمی مرکز تحقیقات و خدمات علمیہ، ۱۹۹۹ء)، ۷۹

کے بہت سے "علما و صوفیا" مقامی اثرات سے اپنے دامن کو نہ بچا سکے۔ اس طرح پہلے زمانہ کے بعض فقہا شعوبی تحریک اور عجمی اثرات کی زد سے نہ محفوظ رہ سکے۔ کفو کی شرعی حیثیت بس اس قدر ہے کہ رہن سہن، بودوباش اور سماجی معاملات میں اس حد تک عورت مرد کے درمیان فرق نہ ہو کہ اس کی وجہ سے تعلقات کی خوشگواری میں فرق آجائے۔ اس سے زیادہ کا ثبوت قرآن وحدیث میں نہیں ہے جن حدیثوں سے ذات پات اور پیشوں کی ذلت ثابت ہوتی ہے وہ سب موضوع اور گھڑی ہوئی ہیں۔ اس کے باوجود بعض علما ان سے استدلال کرتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ سماجی شعور اب اتنا بیدار ہو رہا ہے کہ وہ اس قسم کی لعنتوں کی کسی قیمت پر برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ دوسرے مذاہب کے لوگ مختلف طریقوں اور تدبیروں کے ذریعے ان لعنتوں سے نجات حاصل کر رہے ہیں اور مسلمانوں کو اب تک ان باتوں کی طرف توجہ نہیں ہے۔[32]

مسلم سماج میں عورت کی "شادی شدہ" زندگی میں دوسرا اہم مسئلہ "ضبط ولادت" اور اس کے شرعی حکم کا ہے۔ ضبط ولادت کی وضاحت، مولانا امینی کے مطابق بچوں کی مناسب پرورش میں اگر غربت وافلاس حائل ہو تو مختلف تدابیر کے ذریعہ پیدائش کے درمیان وقفہ اور اگر ضرورت ہو تو "ضبط ولادت" کی بھی اجازت ہے اور اس حوالے سے وہ درج ذیل آیات سے استدلال کرتے ہیں:

- اور جو شخص تم میں سے اس کی قدرت نہ رکھتا ہو کہ وہ مومنہ عفیفہ عورتوں سے نکاح کرے تو مومنہ لونڈیوں سے نکاح کرے۔[33]
- اور جو لوگ نکاح کی استطاعت نہیں رکھتے تو ان کو چاہیے کہ عفت کی زندگی اختیار کریں یہاں تک کہ اللہ اپنے فضل سے مالدار کر دے۔[34]

مولانا امینی فرماتے ہیں کہ ان آیتوں میں جب غربت وافلاس کو شادی کے باب میں مؤثر رکاوٹ تسلیم کیا گیا ہے تو وقت ضرورت کثرت اولاد کے باب میں بھی یہ رکاوٹ قابل تسلیم ہونی چاہیے۔[35]

---

[32] امینی، محمد تقی، مولانا، **مراسلات علمی اور دینی**، (علی گڑھ: فیکلٹی آف اسلامیات، مسلم یونیورسٹی، ۱۹۸۶)، ۱۶۰

[33] النور: ۲۵

[34] النور: ۳۳

[35] امینی، محمد تقی، **تہذیب کی جدید تشکیل**، ۲۳۲

صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؒ اور علما وفقہا نے بھی اس حوالے سے اپنی رائے پیش کی ہے۔ چنانچہ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں: **کنا نعزل و القرآن ینزل۔**[36] ''ہم عزل کرتے تھے اور قرآن نازل ہوتا تھا''۔ سفیانؒ فرماتے ہیں **:لو کان شیًٔا ینھیٰ عنه لنهانا عنه القرآن**[37] ''عزل اگر ممانعت کے لائق ہوتا تو قرآن اس سے منع کر دیتا''۔ سورۃ البقرہ کی آیت ۲۲۳ کے ذیل میں جصاص لکھتے ہیں کہ آیت مذکورہ کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابو حنیفہؒ سے یہ منقول ہے **کیف شئت ان شئت**۔ جس طرح چاہو عزل کے ساتھ یا بغیر عزل کے۔[38] سورۃ النساء کی آیت ۳ کی تفسیر میں علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ زید بن اسلمؓ، جابر بن زیدؒ (جلیل القدر تابعین) اور امام شافعیؒ سے منقول ہے **ان لاتکثر عیالکم**۔[39] سفیان بن عینیہؒ سے ''**الاتعولوا**'' کی تفسیر منقول ہے **ان لا تفتقروا**۔[40] امام غزالیؒ نے بھی قلت مال کی وجہ سے عزل کی اجازت دی ہے۔[41] شاہ عبد العزیز دہلویؒ نے بھی قلت مال کی وجہ سے عزل کی اجازت دی ہے۔[42]

مولانا امینی نے ان روایات و آرا کا تجزیہ کیا ہے، ان کے مطابق قلت و کثرت اولاد کے بارے میں روایتیں مختلف ہیں بعض سے کثرت اولاد کی حوصلہ افزائی اور بعض سے قلت کی پسندیدگی ظاہر ہوتی ہے۔[43] اسی طرح عزل کے باب میں بھی روایتیں مختلف ہیں بعض سے اجازت ثابت ہوتی ہے اور بعض سے مخالفت کا ثبوت ملتا ہے۔ مولانا امینی روایات کے اختلاف کو سامنے رکھتے ہوئے اپنا نقطہ نظر واضح کرتے ہیں ان سب روایتوں کے

---

[36] البخاری، محمد بن اسماعیل، ابی عبد اللہ، **صحیح البخاری**، کتاب النکاح، باب العزل، حدیث: ۵۲۰۷

[37] القشیری، ابی الحسن، مسلم بن حجاج، **صحیح مسلم**، کتاب النکاح، باب العزل، حدیث: ۱۴۴۰

[38] الجصاص، احمد بن علی، **احکام القرآن**، تحقیق: محمد الصادق قمحاوی، (بیروت: داراحیاء التراث العربی، ۱۹۹۴ء)، ۲: ۴۱

[39] الآلوسی، السید محمود، **روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی**، تصحیح: علی عبد الباری عطیہ، (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۹۹۴ء)، ۲:۴۰۷

[40] مرجع سابق، ۲: ۴۰۸ی،

[41] الغزالی، محمد بن محمد، **احیاء علوم الدین**، (بیروت: دار ابن حزم، ۲۰۰۵ء)، ۴۹۰

[42] دہلوی، عبد العزیز، **تفسیر عزیزی** (فارسی)، (ہور: مطبع کانشی رام، سٹیم لا، س۔ن)، ۲: ۶۲۔۶۳

[43] امینی، محمد تقی، مولانا، **تہذیب کی جدید تشکیل**، ۲۳۳

مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں حالات کے لحاظ سے رسول اللہ ﷺ کے پیش نظر وسعت تھی اور کسی ایک جانب قطعی فیصلہ کر دینے پر آپ ﷺ کو کوئی دشواری نہ تھی۔[44]

ضبط ولادت کی جدید شکلوں کے حوالہ سے مولانا امینی فرماتے ہیں کہ موجودہ ترقی یافتہ زمانہ میں ضبط ولادت کی جو صورتیں رائج ہیں وہ نزول قرآن کے زمانے میں نہ تھیں۔اس بناپر قرآن وسنت میں ان کا صریح حکم تلاش کرنا اور نہ ملنے کو بنیاد بنا کر اس کے عدم جواز کا فیصلہ کرنا کسی طرح قرین انصاف نہیں اس مسئلہ میں بنیادی حیثیت سے جوبات دیکھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ "اسلام کے اصول اور کلی پالیسی کے خلاف نہ ہو اگر خلاف ہوتو بلارورعایت عدم جواز کا فیصلہ صادر کر دینا چاہیے اور اگر نہیں ہے تو پھر جواز اور عدم جواز کے کسی ایک پہلو پر اصرار قطعاً غیر مناسب ہے۔ حالات کے لحاظ سے دونوں پہلوؤں کی گنجائش ہونی چاہیے۔[45] مولانا امینی کے مطابق ضبط ولادت میں گنجائش نکلنے کے بعد یہ بحث وقیع نہیں رہتی کہ اس کے لئے مرد کوئی تدبیر کرے یا عورت۔[46]

موجودہ زمانہ میں معاشی حالات کی ابتری کی وجہ سے ہندوستان وپاکستان میں مسلم آبادی کی اکثریت انتہائی غربت وافلاس کا شکار ہے۔ناقص خوراک،معاشی ومعاشرتی مسائل،مہنگائی اور غربت میں اضافہ،دوران زچگی ماؤں کی بلند شرح اموات، نیز نومولود بچوں کا تیزی سے گھٹتا ہوا وزن، صحت کی معیاری اور سستی سہولیات کا فقدان، سیاسی بصیرت سے محرومی، یہ وہ اسباب ہیں کہ جن کے پیش نظر شریعت کی کلی پالیسی کو سامنے رکھتے ہوئے بچوں کی بہتر تعلیم وتربیت نیز جسمانی کمزوریوں کو سامنے رکھتے ہوئے پیدائش کے درمیان وقفہ یا بوقت ضرورت "ضبط ولادت" کی گنجائش سے ضرور فائدہ اٹھانا چاہیے۔ لیکن اگر اس حوالے سے اس طرح مہم چلائی جائے کہ جس طرح مغربی معاشرے میں چلائی گئی تو اس کے بڑے بھیانک نتائج برآمد ہوں گے۔ موجودہ زمانہ میں ضبط ولادت کی عارضی اجازت میں یہ اصول ملحوظ خاطر رہے کہ ایسا کوئی طریقہ اختیار نہ کیا جائے کہ جس کا نتیجہ زن وشو دونوں یا کسی ایک کے بانجھ پن کی شکل میں ظاہر ہو اگر ایسا طریقہ اختیار کیا گیا تو یہ قرآن وسنت کے احکامات کی واضح خلاف ورزی ہوگی۔

معاشرتی مسائل پر قابو پانے کے لئے یہ کوئی مستقل حل نہیں بلکہ عارضی حل ہے۔ اگر مستقل طور پر اس طریقے کو اپنایا گیا تو وہی نتائج برآمد ہونگے جن کا شکار آج مغربی معاشرہ ہے کہ کثرت اولاد کے لئے ہر طرح کی

---

[44] مرجع سابق

[45] امینی، محمد تقی، **تہذیب کی جدید تشکیل**، ۲۳۱

[46] ایضاً، ۲۳۴

مہم چلائی جارہی ہے۔ لیکن خاندانی نظام کی شکست وریخت کی وجہ سے فی الحال ان کو کامیابی حاصل نہیں ہو رہی۔ مولانا امینی کے مطابق یہ گنجائش محدود اور بدرجۂ مجبوری ہے اگر بلاکسی قید کے اس کی عام اجازت دے دی جائے تو اس کے نتائج نہایت خطرناک شکل میں ظاہر ہونگے۔ جیسا کہ مغربی تہذیب اور اس کے مقلد سماج میں ظاہر ہو رہے ہیں۔[47] سید ابوالاعلی مودودی کی رائے بھی یہی ہے کہ عزل پر ضبط ولادت کے دوسرے طریقوں کو بھی قیاس کر کے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان طریقوں کو شارع نے صرف اس وجہ سے حرام نہیں کیا کہ بعض حالات میں انسان فی الواقع ان کو اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور احتیاط کا مقتضیٰ یہی ہے کہ ان کو ایسا کرنے کی اجازت دے دی جائے۔ لیکن بلاضرورت اس کو ایک عام طرز عمل اور قومی پالیسی بنانا احکام اسلام کے قطعاً خلاف ہے۔[48]

مولانا امینی کے ذکر کردہ دلائل اور دیگر حضرات کی آرا سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ "ضبط ولادت" کی اجازت، مخصوص حالات وقیود کے تحت ہے اس کا حکم نہیں ہے نیز اس حوالہ سے ازخود فیصلہ کرنے کی بجائے علما اور قابل اطبا سے مشورہ ضروری ہے۔ماں کی صحت اور زندگی ہر حال میں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مقدم ہے۔ جہاں ضرورت عارضی ضبط ولادت کی ہے وہاں عارضی طور پر رخصت وگرنہ سوائے شدید ضرورت اور جان جانے کے خطرہ کے پیش نظر قابل اطبا کی تصدیق کے بعد "ضبط ولادت" کی اجازت ہے۔ آج دنیا کی آبادی بلا تفریق جنس، فطری ذمہ داریوں سے انحراف کی وجہ سے متعدد بیماریوں اور مشکلات کا شکار ہے۔ غیر صحت مندانہ سرگرمیوں اور جنسی بے راہ روی کی وجہ سے مردوزن لاعلاج بیماریوں میں مبتلا ہیں۔ فگر یعنی جسمانی ساخت کی خرابی کے اندیشہ کے پیش نظر ماؤں کا نومولود بچوں کی رضاعت سے انحراف "چھاتی کے سرطان" کی وجوہات میں سے دو فیصد شرح کا حامل ہے۔ لہٰذا فطری اور اسلامی طریقوں پر عمل کرنے کی ضرورت ہے جو بظاہر مختلف لیکن حقیقت میں متحد ہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے "اسلامک فقہ اکیڈمی ہند" نے ضبط ولادت کے حوالہ سے جو سفارشات کی ہیں ان کو یہاں نقل کر دیا جائے تا کہ اس مسئلہ کے حوالہ سے ساری جائز اور ناجائز صورتوں کا احاطہ ہو جائے۔

ضبط ولادت کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لینے کے بعد شرکائے سمینار نے مندرجہ ذیل تجاویز متفقہ طور پر منظور کیں:

- کوئی بھی ایسا عمل جس کا مقصد نسل انسانی کے سلسلے کو منقطع کرنا یا محدود کرنا ہو اسلام کے بنیادی تصورات کے خلاف اور ناجائز ہے۔

---

[47] مرجع سابق

[48] مودودی، سید ابوالاعلیٰ، **اسلام اور ضبط ولادت**، (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء)، ۱۰۹

- بطور فیشن خاندان کو مختصر رکھنے یا تجارت و ملازمت کی مشغولیتوں کے متاثر ہونے یا سماجی دلچسپیوں میں رکاوٹ پیدا ہونے کی وجہ سے اولاد کی ذمہ داری سے انکار و گریز کو شرع اسلامی کسی حال میں قبول نہیں کر سکتی۔
- جو خواتین بلند معیار زندگی کے حصول یا زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرنے کی خاطر نوکریاں کرنا چاہتی ہیں اور اپنے مقصد تخلیق اور اس مقدس فریضہ کو بھول جاتی ہیں جو قدرت نے نسل انسانی کی ماں کی حیثیت سے ان پر عائد کیا ہے۔ ان مقاصد کی خاطر خاندان کو محدود کرنے کا تصور قطعاً غیر اسلامی ہے۔
- جو بچہ موجود ہے اس کی پرورش، رضاعت اور نشوونما پر اگر ماں کے جلد حاملہ ہونے کی وجہ سے نقصان کا خطرہ ہے تو ایسی صورت میں مناسب وقفہ قائم رکھنے کی خاطر عارضی "مانع حمل تدابیر" اختیار کرنا جائز ہے۔
- دائمی منع حمل کی تدابیر کا استعمال مردوں کے لئے کسی حال میں بھی درست نہیں ہے۔ عورتوں کے لئے بھی منع حمل کی مستقل تدابیر ممنوع ہیں سوائے ایک صورت کے وہ استثنائی صورت یہ ہے کہ "ماہر قابل اعتماد اطبا کی رائے میں اگلا بچہ پیدا ہونے کی صورت میں عورت کی جان جانے یا کسی عضو کے تلف ہو جانے کا ظن غالب ہو تو اس صورت میں عورت کا آپریشن کر دینا تاکہ استقرار حمل نہ ہو سکے جائز ہے۔
- چند استثنائی صورتوں میں عارضی منع حمل کی تدابیر و ادویہ کا استعمال مردوں اور عورتوں کے لیے درست ہے مثلاً عورت بہت کمزور ہے، ماہر اطبا کی رائے میں وہ حمل کی متحمل نہیں ہو سکتی اور حمل ہونے سے اسے شدید ضرر لاحق ہونے کا قوی اندیشہ ہو۔ ماہر اطبا کی رائے میں عورت کو ولادت کی صورت میں ناقابل برداشت تکلیفوں اور ضرر میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو۔[49]

خلاصہ بحث:

- اسلام نے خواتین کو خوشنما نعرے دینے کی بجائے عملی طور پر وہ حقوق عطا فرمائے کہ آج تک اسلامی معاشرہ میں عورت کو وہ حقوق حاصل ہیں۔ شریعت نے عورت کی مستقل حیثیت کو تسلیم کیا، جو ذمہ داری اس کے سپرد کی اور جو مقام عطا فرمایا اس میں اس کی فطری ساخت کا اعتبار کیا نہ کہ مردوں کے خود غرضانہ جذبات کا۔ عورتوں کی شخصیت سازی کے اصولوں میں عفت و پاکبازی سر فہرست ہیں کیونکہ وہ سارے محاسن کی جان اور انسانیت کا جوہر ہیں۔

[49] قاسمی، مجاہد الاسلام، **جدید فقہی مباحث**، (کراچی: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، ۲۰۰۹ء)، ا: ۳۹۰

- خاندانی نظام کا سربراہ فطری طور پر مرد ہوتا ہے۔دونوں زن و شو میں خلقی تفاوت کی وجہ سے مرد میں فعل و جذب اور عورت میں انفعال وانجذاب کی کیفیت زیادہ پائی جاتی ہے۔ نیز مرد پر معاشی ذمہ داریوں کا بوجھ ہوتا ہے۔ بعض استثنائی صورتیں کہ جن میں عورت عام مصالح میں قائدانہ کردار ادا کرتی ہے۔اس سے مرد کے درجہ "قوامیت" پر زد نہیں پڑتی۔
- فقہانے عورتوں سے متعلق احکام پر تفصیلی بحث کی ہے اور ان میں اختلاف بھی مذکور ہے جو بڑی حد حالات ،مقامات اور زاویۂ نگاہ کی تبدیلی پر مبنی ہیں۔ بعض مسائل پر از سر نو غوروخوض کی ضرورت ہے۔عورتوں کے حوالے سے موجودہ دور میں جن مسائل میں غوروخوض کی زیادہ ضرورت ہے ان میں سے مولانا امینی نے "کفو"اور"ضبط ولادت"کا ذکر فرمایاہے۔
- کفاءت میں حریت،نسب و پیشہ، مال و عمر اور دین (اخلاق و کردار) کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ لیکن دین کے علاوہ حالات کے لحاظ سے سب میں اختلاف ہے۔
- بچوں کی مناسب پرورش میں اگر غربت وافلاس حائل ہو تو مختلف تدابیر کے ذریعہ پیدائش کے درمیان وقفہ اور اگر ضرورت ہو تو"ضبط ولادت"کی بھی اجازت ہے۔